۷۳

# المزّمّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## ۱۔ سورہ کا زمانۂ نزول اور عمود

یہ سورہ اور بعد کی سورہ ——— المدّثّر ——— دونوں بالکل ہم رنگ و ہم مزاج اور توام ہیں۔ عام مفسرین نے ان کو بالکل ابتدائی سورتوں میں سے شمار کیا ہے لیکن ان کے مطالب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس دور میں نازل ہوئی ہیں جب قریش کے امراء و اغنیاء کی طرف سے دعوت کی مخالفت اتنی شدت اختیار کر چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس صورتِ حال سے نہایت مغموم و متفکر رہنے لگے ہیں۔

ایک انسان جب اپنے ماحول میں ہر شخص کی مخالفت اور اس کے طعن و طنز کا ہدف بن کر رہ جائے درآنحالیکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ اس ماحول ہی کی اصلاح پر مامور ہو تو اس کے غم و الم کا جو حال ہو گا اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ اس صورتِ حال سے قدرتاً اس پر خلوت پسندی اور خلق سے بے تعلقی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ وہ اٹھتا ہے تو اپنی چادر لپیٹ کر چلتا ہے تو اس میں لپٹ کر، بیٹھتا ہے تو اس ہی گوشہ گیر ہو کر اور لیٹتا ہے تو اس میں چھپ کر، اس لیے کہ تنہا اس کی چادر ہی ہوتی ہے جس کے دامن میں فی الجملہ اس کو اپنے باطن میں غوطہ زن ہونے اور اپنے خالق سے تعلق و توصّل کے لیے سکون و اطمینان ملتا ہے۔

اس کا تھوڑا بہت تجربہ تو ہر اس شخص کو ہوتا ہے جو خلق و خالق سے متعلق اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھنے والا ہو لیکن انبیاء علیہم السلام کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ وہ خلق کے لیے سراپا رحمت و شفقت اور اپنے رب کی ڈالی ہوئی ذمہ داریوں کے معاملے میں نہایت حسّاس ہوتے ہیں۔ وہ اپنی جان توڑ مساعی و اصلاح کے باوجود جب دیکھتے ہیں کہ لوگوں کی مخاصمت بڑھتی جا رہی ہے تو ان کو گمان گزرتا ہے کہ مبادا اس میں انہی کی کسی کوتاہی کو دخل ہو۔ یہ چیز ان کے غم و فکر کو اور زیادہ بڑھا دیتی ہے۔ جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کو مطعون کر کے اپنے دل کو تسلی دینے کے بجائے خود اپنے اندر خلوت گزیں ہو کر صورتِ حال کا صحیح حل ڈھونڈھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس ذہنی کیفیت میں ان کو اپنی سب سے بڑی غم گسار اپنی چادر ہی محسوس ہوتی ہے جس میں چھپ کر گویا وہ اپنے ماحول سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔

چادر میں لپٹنے والے کو عربی میں "مزّمّل" کہتے ہیں۔ اس لفظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ نے آپ کی اسی فکرمندی کا سراغ دیا ہے۔ یہ نہایت پیار کا خطاب ہے۔ اس دلنواز خطاب سے مخاطب کر کے آپ کو

وہ طریقہ بتایا گیا ہے جو اس غم والم کو دور کر کے آپ کے اندر وہ قوت وعزیمت پیدا کرے گا جو موجودہ اور آئندہ پیش آنے والے حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے۔ گویا اس سورہ میں حالات سے نبرد آزما ہونے کے لیے آپ کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی گئی ہے اور ساتھ ہی وہ نسخہ بھی بتایا گیا ہے جو حوصلہ کو بلند اور کمر ہمت کو مضبوط رکھنے کے لیے نہایت کیمیا اثر ہے۔

## ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

سورہ کے مطالب کی ترتیب اس طرح ہے۔

(۱ - ۱۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی تاکید کہ شب میں قیام لیل کا اہتمام کرو جس میں قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ اس سے دل کو ثبات اور دماغ کو بصیرت حاصل ہوگی جو آگے کی بھاری ذمہ داریوں کے اٹھانے کا اہل بنائے گی اسی طرح دن میں بھی تسبیح وتہلیل کے لیے بڑی گنجائش ہے تو اپنے رب کے ذکر میں مطلق اور اس کے دامن رحمت میں پناہ گیر رہو۔ مشرق اور مغرب کا خداوند وہی ہے تو اپنا معاملہ اسی کے سپرد کرو۔ تمھارے اعدار جو بکواسیں کر رہے ہیں اس کو صبر کے ساتھ نظر انداز کرو اور ان کا معاملہ ہم پر چھوڑو۔ ہم ان سے نمٹنے کے لیے تنہا کافی ہیں۔

(۱۵ - ۱۹) قریش کے لیڈروں کو تہدید و وعید کہ جس طرح ہم نے اپنے دین کی گواہی دینے کے لیے فرعون کی طرف اپنا رسول بھیجا اسی طرح تمھاری طرف بھی ہم نے اپنا رسول بھیجا ہے تو رسول کی نافرمانی کا جو انجام فرعون اور اس کی قوم کے سامنے آیا اس انجام کو یاد رکھو۔ اگر تم نے اسی کی روش اختیار کی تو کوئی وجہ نہیں کہ تمھارا انجام اس سے مختلف ہو۔ اس دن کو یاد رکھو جس کا ہول بچوں کو بوڑھا بنا دے گا اور جس کے بوجھ سے آسمان پھٹا پڑ رہا ہے۔ اس سے آگاہ کرنے کے لیے ہم نے یہ یاددہانی اتار دی ہے تو جو سلامتی چاہے وہ اپنے رب کی راہ اختیار کرلے ورنہ نتائج بھگتنے کے لیے تیار رہے۔

(۲۰) آخر میں ایک مدنی آیت جس میں حالات کے تبدیل ہو جانے کے سبب سے اس حکم میں کسی قدر تخفیف کر دی گئی ہے، جو ابتدائی آیات میں دیا گیا ہے، اور اس کسر کے جبر کے لیے بعض ایسے بدل بتا دیے گئے جو اصل مقصد کی حفاظت کرنے والے اور بدلے ہوئے حالات کے مناسب ہیں۔

# سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ

مَكِّيَّةٌ ——— آیات : ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آیات ۱-۲۰

يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ
مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ؕ﴿۴﴾ اِنَّا
سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ
وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ؕ﴿۶﴾ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ؕ﴿۷﴾
وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ؕ﴿۸﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ
وَالْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۹﴾ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا
يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ
اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾ اِنَّ لَدَيْنَاۤ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ۙ﴿۱۲﴾
وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَ
الْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ
رَسُوْلًا ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؕ﴿۱۵﴾
فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ
تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ۖ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ

مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿۱۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾

ع ۱۹/۱۳ — ع ۲/۱۴

ترجمہ آیات ۱ — ۲۰

اے چادر میں لپٹنے والے! رات میں قیام کر مگر تھوڑا حصّہ۔ آدھی رات یا اس میں سے کچھ کم کر دے یا اس پر کچھ زیادہ کر لے اور قرآن کی تلاوت کر ٹھہر ٹھہر کر۔ ہم تم پر عنقریب ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں۔ بے شک رات میں اٹھنا دل جمعی اور فہم کلام کے لیے نہایت خوب ہے۔ دن میں بھی تمہارے لیے کافی تسبیح کا موقع ہے اور اپنے رب کے نام کا ذکر کر اور اس کی طرف گوشہ گیر ہو جا۔ وہی مشرق و مغرب کا خداوند ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بنا اور یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کر اور ان کو خوبصورتی سے نظر انداز کر اور ان اہلِ نعم جھٹلانے والوں کا معاملہ مجھ پر چھوڑ اور ان کو کچھ دیر اور

مہلت دے۔ ہمارے پاس ان کے لیے بیڑیاں اور دوزخ کی آگ ہے اور حلق میں پھنسنے والا کھانا اور نہایت دردناک عذاب۔ اس دن جس دن زمین اور پہاڑ لرزاٹھیں گے اور پہاڑ بھربھرے ٹیلے بن جائیں گے۔ ۱-۱۴

ہم نے تم لوگوں کی طرف ایک رسول بھیجا ہے تم پر گواہ بنا کر جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تو فرعون نے رسول کی نافرمانی کی، پس ہم نے اس کو پکڑا نہایت سخت پکڑنا تو اگر تم نے بھی کفر کیا تو اس دن کے عذاب سے کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کردے گا! آسمان اس کے بوجھ سے پھٹا پڑ رہا ہے اور اللہ کا وعدہ شُدنی ہے۔ یہ ایک یاددہانی ہے تو جو چاہے وہ اپنے رب کی راہ اختیار کرلے۔ ۱۵ - ۱۹

بے شک تمھارا رب جانتا ہے کہ تم شب میں دوتہائی رات کے قریب یا نصف یا تہائی رات قیام کرتے ہو اور ایک گروہ تمھارے ساتھیوں میں سے بھی۔ اور اللہ ہی رات اور دن کا اندازہ ٹھہراتا ہے۔ اس نے جانا کہ تم اس کو نباہ نہ سکو گے تو اس نے تم پر عنایت کی نظر کی تو قرآن میں سے جتنا میسّر ہو سکے پڑھ لیا کرو۔ اس کے علم میں ہے کہ تم میں مریض بھی ہوں گے اور ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اللہ کے فضل کی طلب میں سفر کریں گے اور دوسرے ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے اٹھیں گے تو جتنا میسّر ہو سکے اس میں سے پڑھ لیا کرو اور نماز کا اہتمام رکھو، زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کو قرض دو قرض اچھا اور جو کچھ بھی تم اپنے لیے پہلے سے بھیج رکھو گے اس کو اللہ کے پاس اس سے بہتر اور اجر میں برتر پاؤ گے۔ اور اللہ سے استغفار کرتے رہو۔ بے شک اللہ بڑا ہی غفور رّحیم ہے۔ ۲۰

# الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ (۱)

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسے لفظ سے مخاطب فرمایا گیا ہے جس سے آپ کی وہ تصویر سامنے آتی ہے جو اس اندرونی کیفیت کی غماز ہے جو سورہ کے زمانۂ نزول میں آپ پر بیشتر طاری رہتی تھی۔

'مُزَّمِّل' دراصل 'مُتَزَمِّل' ہے۔ عربیت کے قاعدے کے مطابق 'ت' حرف 'ز' میں مدغم ہو گئی ہے۔ اسی طرح کا تصرف لفظ 'مُدَّثِّر' میں بھی ہوا ہے۔ اس کے معنی جیسا کہ ہم پیچھے اشارہ کر چکے ہیں، اپنے اوپر چادر لپیٹے رکھنے والے کے ہیں۔ یہ حالت بالعموم ایسے شخص کی ہوتی ہے جو سامنے کے حالات سے فکر مند اور گرد و پیش کے لوگوں کے رویہ سے بد دل ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ایک ایسے عذاب سے ڈرا رہے تھے جو ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا لیکن لوگوں کی بے گانگی و بے زاری کا یہ حال تھا کہ بات سننا تو درکنار الٹے منہ نوچنے کو دوڑتے اور آپ کی بے قراری و ہمدردی کو خبط و جنون قرار دیتے۔ ایسے حالات میں آپ کا متفکر و مغموم رہنا ایک امر فطری تھا اور فکر و غم کی حالت میں آدمی کی چادر، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، اس کی بہترین غمگسار ہوتی ہے۔ وہ اس میں لپیٹ کر جب چاہتا ہے خلق سے منقطع اور خالق سے متصل ہو جاتا ہے۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ چادر اہل عرب کے لباس کا ایک نہایت اہم جزو بھی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ چادر رکھتے بھی تھے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعثت سے پہلے بھی جب آپ جستجوئے حقیقت میں سرگرداں تھے، آپ پر اسی طرح کی خلوت گزینی کی حالت طاری رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ سورۂ ضحیٰ میں اشارہ ہے، آپ کو راہ دکھائی۔ پھر یہی کیفیت آپ پر مزید شدت کے ساتھ اس وقت طاری ہوئی جب آپ کو اپنی مریض قوم کی دوا بیزاری اور طبیب دشمنی کا ذاتی تجربہ ہوا۔ اس تجربہ سے آپ پر جو کیفیت طاری ہوئی لفظ 'مُزَّمِّل' اسی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض مفسرین نے اس خطاب سے یہ مطلب سمجھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھے سوئے پڑے تھے کہ آپ کو وحی کے ذریعہ ہدایت ہوئی کہ اے چادر تان کر سونے والے اٹھ اور نماز پڑھ۔ یہ مطلب اگرچہ اس پہلو سے دلچسپ ہے کہ بعد کی آیات سے بظاہر اس کا جوڑ مل جاتا ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارک کے کسی دور میں بھی چادر تان کر غفلت کی نیند سونے والوں میں سے نہیں تھے۔ آپ ہمیشہ کھٹکے کی نیند سوتے اور دن کی طرح آپ کی شب بھی زیادہ تر ذکر و فکر ہی میں گزرتی۔ قرآن کی کسی آیت سے بھی یہ اشارہ نہیں نکلتا کہ آپ کو کبھی خدا سے غفلت

کی بنا پر کوئی تنبیہ فرمائی گئی ہو بلکہ اس کے برعکس آپ کو بار بار اس بات پر نہایت پُرمحبت انداز میں عتاب ہوا ہے کہ آپ نے اپنے اوپر اس سے زیادہ بوجھ اٹھا رکھا ہے جتنا اللہ تعالیٰ نے آپ پر ڈالا ہے۔ البتہ یہ بات قرآن میں جگہ جگہ ملتی ہے کہ دعوت کی راہ میں جب آپ کو مشکلات و مصائب سے سابقہ پڑا ہے اور آپ اس صورتِ حال سے فکر مند رہنے لگے ہیں تو آپ کے عزم و حوصلہ کو مضبوط اور پریشانی کو دور کرنے کے لیے نماز بالخصوص تہجد کی نماز کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ ہمارے نزدیک یہاں بھی یہی صورت ہے۔

قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا (۲-۴)

قیام لیل کی برکتیں

لفظ 'مُزَّمِّل' میں حضورؐ کی جو فکر مندی اور پریشانی مضمر ہے یہ اس کا علاج بتایا جا رہا ہے اور یہ علاج صرف یہیں نہیں بتایا گیا ہے بلکہ جب جب دعوت کی راہ میں آپ کو پریشانیاں پیش آئی ہیں ان کا یہی علاج آپ کو قرآن نے بتایا ہے اور ہم ہر جگہ اپنے علم کے حد تک اس کی حکمت کی وضاحت کر چکے ہیں۔ یہاں چونکہ اس علاج کی تاثیر اور اس کی قدر و قیمت آگے خود واضح فرما دی گئی ہے اس وجہ سے ہم اپنی طرف سے کچھ کہنے کے بجائے صرف آیات کی تفسیر پر اکتفا کریں گے جس سے ان شاء اللہ خود یہ بات سامنے آجائے گی کہ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ نے قیام لیل میں کیا برکتیں ودیعت فرمائی ہیں اور وہ کن پہلوؤں سے اس کی صرف شدہ قوتوں کو بحالی اور اس کے عزم و ایمان کو مضاعف کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

قیام لیل کا وقت

'قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ' رات سے یہاں ظاہر ہے کہ رات کا نصف آخر ہے جب آدمی کچھ سو چکنے کے بعد اٹھتا ہے۔ اس کی وضاحت آگے 'نَاشِئَةَ الَّيْلِ' کے لفظ سے ہو گئی ہے۔ تہجد کے لیے یہی وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی ثابت ہے اور یہی اصل مقصد کے اعتبار سے سب سے زیادہ بابرکت بھی ہے۔ یہ وقت رات کے نصف کے بقدر بھی ہو سکتا ہے، اس سے کچھ کم بھی ہو سکتا ہے اور اس سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔ شب کے پچھلے پہر میں اٹھنا ایک کٹھن کام ہے، اس میں دیر سویر کے ہو جانے کا امکان ہے اس وجہ سے وقت کے معاملے میں وسعت رکھی گئی ہے تاکہ زیادہ مشقت کا موجب نہ ہو۔ اگرچہ الفاظِ قرآن سے پوری نصف شب کے قیام کا اولیٰ ہونا نکلتا ہے لیکن کمی بیشی کی گنجائش الفاظ میں موجود ہے۔

قرآن کی تلاوت کا طریقہ

'وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا' یہ قرآن کے پڑھنے کا طریقہ بتایا گیا کہ نماز میں اس کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ چنانچہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ قرآن لحن اور لَے سے پڑھتے، آیت آیت پر وقف فرماتے، کبھی کبھی ایک ہی آیت شدت تاثر میں بار بار دہراتے۔ علاوہ ازیں کوئی آیت قہر و غضب کی

ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے غضب سے پناہ مانگتے اور جو آیت رحمت کی ہوتی اس پر ادائے شکر فرماتے۔ بعض آیتیں جن میں سجدہ کا حکم یا اشارہ ہے ان کی تلاوت کے وقت، فوری امتثالِ امر کے طور پر آپ سجدہ میں بھی گر جاتے۔

تلاوتِ قرآن کا یہی طریقہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق بھی ہے اور یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور و منقول بھی ہے۔ قرآن کے مقصدِ نزول کے پہلو سے بھی یہی طریقہ نافع ہو سکتا ہے لیکن مسلمانوں میں یہ طریقہ صرف اس وقت تک باقی رہا جب تک وہ قرآن کو فکر و تدبر کی چیز اور زندگی کی رہنما کتاب سمجھتے رہے۔ بعد میں جب قرآن صرف حصولِ ثواب اور ایصالِ ثواب کی چیز بن کے رہ گیا تو یہ اس طرح پڑھا جانے لگا جس کا مظاہرہ ہمارے حفاظِ کرام تراویح اور شبینوں میں کرتے ہیں۔

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا (۵)

'قولِ ثقیل' سے مراد

یہ اس مقصدِ عظیم کی طرف اشارہ ہے جس کے لیے قیامِ لیل کی یہ ہدایت فرمائی گئی۔ ارشاد ہے کہ ہم عنقریب تم پر ایک بھاری بات ڈالنے والے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس بھاری بات کے تحمل کے لیے ایک پیشگی ریاضت اور تیاری کے طور پر آپ کو اس کا حکم ہوا۔ اس بھاری بات سے کیا مراد ہے؟ اس کے جواب میں اہلِ تاویل سے مختلف اقوال منقول ہیں لیکن ان کی بنیاد کسی دلیل پر نہیں ہے اس وجہ سے ان کے نقل کرنے میں کوئی خاص فائدہ نہیں ہے۔ استاذ امامؒ اس سے اس انذارِ عام کو مراد لیتے ہیں جس کا حکم اگلی سورہ میں 'یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ' (المدثر ۷۴: ۱-۲) (اے چادر میں لپٹنے والے! اٹھ اور لوگوں کو انذار کر) اور اس کے بعد کی آیات میں دیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہی رائے قرینِ قیاس ہے۔ اس لیے کہ اسی انذارِ عام سے بعد میں براءت، ہجرت اور اعلانِ جنگ کے وہ مراحل سامنے آئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک کے شدید ترین مراحل ہیں، جن میں آپؐ بھی اور آپؐ کے ساتھ صحابہؓ بھی ایسے کڑے امتحانوں سے گزرے کہ ان کے تصور سے بھی کلیجہ کانپ اٹھتا ہے۔

اقامتِ دین کی جدوجہد کی امتیازی خصوصیت

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامِ لیل کا حکم اس جہادِ عظیم کی تیاری کے لیے دیا گیا جس سے آگے آپؐ کو اور آپؐ کے صحابہؓ کو اقامتِ دین کی راہ میں سابقہ پیش آنے والا تھا۔ اقامتِ دین کی جدوجہد کی یہی وہ امتیازی خصوصیت ہے جو اس کو دوسری تمام تحریکات سے ممتاز کرتی ہے۔ اس کے لیے دوسرے وسائل و ذرائع کے فراہم ہونے سے پہلے صحیح معرفتِ رب، مستحکم ایمان، غیر متزلزل صبر اور اپنے رب پر کامل اعتماد و توکل ضروری ہے۔ ان اوصاف کے حصول کا واحد ذریعہ نماز بالخصوص شب کی نماز ہے بشرطیکہ وہ اس طرح ادا کی جائے جس طرح اس کے ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی چٹان پر اقامتِ دین کی جدوجہد کی بنیاد ہے۔ اس بنیاد کے بغیر اگر دین کی عمارت کھڑی

کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ کھڑی ہونے سے پہلے ہی زمین بوس ہو جائے گی۔

إِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا (۶)

قیامِ لیل کی حکمت

یہ اللہ تعالیٰ نے حکمت بتائی ہے اس بات کی کہ آپ کو قیامِ لیل کا یہ حکم کیوں دیا گیا۔ فرمایا کہ اس لیے کہ یہ وقت سکونِ قلب و دماغ کے لیے سب سے زیادہ موزوں اور فہمِ قرآن کے لیے سب سے زیادہ سازگار و مددگار ہے۔

'نَاشِئَةٌ' ہمارے نزدیک 'نشأ' سے، جس کے معنی اٹھنے کے ہیں، 'عَاقِبَةٌ' اور 'عَافِيَةٌ' کے وزن پر مصدر یا حاصل مصدر ہے۔ 'نَاشِئَةَ الَّيْلِ' کے معنی ہوں گے قیامِ لیل یا شب خیزی۔ اس لفظ ہی سے یہ بات نکلی کہ تہجد کا وقت درحقیقت شب میں کچھ سو کر اٹھنے کے بعد یعنی پچھلے پہر کا ہے۔ اس وقت اٹھنا اگرچہ اس اعتبار سے ایک مشکل کام ہے کہ اس وقت کی نیند بہت محبوب ہوتی ہے لیکن اس امتحان میں انسان اگر کامیاب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی کتاب کے سمجھنے کے لیے اس سے زیادہ بابرکت وقت اور کوئی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو اس ساعتِ میمون میں بستر سے اٹھنے کی توفیق دیتا ہے اول تو اس کو اپنے نفس کی خواہشوں پر غلبہ پانے کی ایسی قوت حاصل ہو جاتی ہے جو اس کے لیے اصلاحِ نفس کی راہ میں فتوحات کے بے شمار دروازے کھول دیتی ہے ثانیاً اللہ تعالیٰ نے، جو رات اور دن کو وجود میں لانے والا ہے، اس وقت کو اپنی رحمتوں کے نزول کے لیے مخصوص فرمایا ہے جن کے دروازے اس کے ان بندوں کے لیے کھلتے ہیں جو اس کی قدر و قیمت پہچانتے اور اس وقت اس کے دروازے پر سائل بن کر حاضر ہوتے ہیں۔

شب خیزی کی تاثیر

'أَشَدُّ وَطْأً' یہ اس وقت اٹھنے کی تاثیر بتائی ہے کہ جب آدمی اس وقت بستر سے اٹھ کر، وضو کر کے، نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اس کے قدم خوب جمتے ہیں۔ قدم تو جب جمتا دماغ کی یکسوئی، دل کے اطمینان اور عقل کی بیداری کی تعبیر ہے۔ اگر دماغ پریشان اور قلب بے سکون ہو تو آدمی کے قدم نہیں جمتے، کوئی بڑا کام تو درکنار وہ کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام بھی دلجمعی سے نہیں کر سکتا۔ گویا یہاں ظاہر سے ان کے باطن پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ بعض مفسرین نے اس کے یہ معنی لیے ہیں کہ اس وقت اٹھنا نفس کو اچھی طرح کچلنے والا ہے۔ اگرچہ الفاظ میں اس معنی کی بھی گنجائش ہے لیکن آگے کے فقرے سے اسے مناسبت نہیں ہے۔ میں نے جو معنی اختیار کیے ہیں وہ دوسرے مفسرین نے بھی لیے ہیں لیکن انھوں نے اس حقیقت کی طرف اشارہ نہیں کیا کہ ثباتِ قدم درحقیقت قلبی و عقلی یکسوئی و دلجمعی کی تعبیر ہے۔

'وَأَقْوَمُ قِيلًا' یعنی یہ وقت چونکہ دماغ کے سکون اور دل کی بیداری کا خاص وقت ہے اس وجہ سے زبان سے جو بات نکلتی ہے تیر بہدف اور 'از دل خیزد بر دل ریزد' کا مصداق بن کر نکلتی ہے۔ آدمی خود بھی اس کو اپنے دل کی گواہی کی طرح قبول کرتا ہے اور دوسرے سننے والوں کے دلوں پر

بھی اس کی تاثیر بے خطا ہوتی ہے۔ جنّات کا جو واقعہ سورۂ جن میں بیان ہوا ہے، روایات اور قرائن دونوں سے ثابت ہے کہ انھوں نے تہجد ہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھتے سنا اور اس درجہ متاثر ہوئے کہ نہ صرف اس پر ایمان لائے بلکہ اپنی قوم کے اندر اس کے داعی بن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے عظیم انسان کے دل کو بھی اسی طرح کے ایک واقعہ نے فتح کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تہجد میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق تلاوتِ قرآن صرف اپنے ہی نفس کے تہذیب و تزکیہ کے لیے نہیں بلکہ بعض اوقات دوسروں کے ارواح و قلوب کو زندہ کر دینے کے لیے بھی ندائے غیب کی حیثیت رکھتی ہے خواہ وہ جنوں میں سے ہوں یا انسانوں میں سے۔

إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا (۷)

'سبحِ طویلاً' کی تاویل

عام طور پر لوگوں نے اس کے معنی یہ لیے ہیں کہ دن میں تمھارے لیے اور بھی بہت سے کام ہیں یعنی دن میں چونکہ دوسرے بہت سے دھندے گھیرے رہتے ہیں، نماز کے لیے دلجمعی کا وقت مشکل ہی سے میسر آتا ہے، اس وجہ سے شب میں تم کو تہجد کے اہتمام کا حکم دیا گیا۔

لفظ 'سبح' کے اندر، از روئے لغت، اس معنی کی گنجائش موجود ہے لیکن ہمارا دل مختلف وجوہ سے اس تاویل پر نہیں جمتا۔

اول وجہ یہ ہے کہ قیام لیل کے لیے پچھلے پہر کا وقت اللہ تعالیٰ نے صرف اس وجہ سے نہیں منتخب فرمایا ہے کہ دن میں آدمی کے سامنے دوسری بہت سی مشغولیتیں ہیں بلکہ قرآن کے متعدد اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں اپنے مزاج و کیفیات کے اعتبار سے یہی وقت ان مقاصد کے لیے سب سے زیادہ سازگار ہے جو قیام شب سے مقصود ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر یہ بات کہنی ہوتی تو اس کے لیے سادہ اسلوب بیان یہ ہوتا کہ 'إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ شُغُلًا كَثِيرًا' یا اس کے ہم معنی دوسرے الفاظ ہوتے۔ لفظ 'سبح' تیرتے، چلنے وغیرہ کے معنی میں آتا تو ہے لیکن شغل اور مصروفیت کے معنی میں یہ ایسا معروف نہیں ہے کہ بغیر واضح قرینہ کے ذہن اس کی طرف منتقل ہو سکے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر لفظ 'سبح' یہاں اس معنی میں ہوتا تو اس کی صفت 'طَوِيلًا' کی جگہ 'كَثِيرًا' یا 'كَبِيرًا' زیادہ موزوں ہوتی۔

ان مختلف وجوہ سے اس تاویل پر دل پوری طرح مطمئن نہیں ہوتا۔ ہمارے نزدیک لفظ 'تسبیح' یہاں اپنے معروف معنی یعنی تسبیح کرنے ہی کے معنی میں ہے اور آیت کی تاویل یہ ہے کہ شب میں تمھیں جس اہتمامِ نماز کا حکم دیا جا رہا ہے اس کے علاوہ دن میں بھی تمھارے لیے کافی تسبیح کا موقع ہے جس کا اہتمام رکھو۔ چنانچہ یہ امر واقعہ ہے کہ حضورؐ دن میں بھی اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے

اور سوتے جاگتے اللہ تعالیٰ کے ذکر کا اہتمام رکھنے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر چھوٹے بڑے کام کے لیے آپ سے دعائیں منقول ہیں۔ آدمی ان کا اہتمام رکھے تو اس کا کوئی قدم بھی ذکر کے بغیر نہیں اٹھ سکتا اور ان کی برکت سے آدمی کے وہ کام بھی عبادت بن جاتے ہیں جو بظاہر دنیا کے کام خیال کیے جاتے ہیں۔

دین میں مطلوب ذکرِ دوام ہے

یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہے کہ دین میں مطلوب ذکرِ دوام ہے۔ اس مسئلہ پر اس کے مقام میں بحث ہو چکی ہے۔ جس طرح انسان کی مادی زندگی کے لیے سانس ضروری ہے اسی طرح اس کی روحانی زندگی کے لیے اللہ کی یاد ضروری ہے۔ سانس رک جائے تو جسم مردہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اللہ سے غفلت ہو جائے تو روح پژمردہ ہو جاتی ہے۔ دل ذکر کی جھڑی ہی سے زندہ رہتا ہے اور دل کی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔

آیاتِ آفاق و انفس میں تفکر بھی ذکر ہے

یہاں وہ حقیقت بھی پیشِ نظر رہے جو اس کتاب میں ایک سے زیادہ مقامات میں بیان ہو چکی ہے کہ اللہ کے دین کی دعوت اور آیاتِ آفاق و انفس میں تدبر و تفکر بھی ذکر ہی میں شامل ہے۔ بلکہ یہ کہنا بھی مبالغہ نہیں ہے کہ اس کو افضل الذکر کی حیثیت حاصل ہے اس لیے کہ اس تفکر ہی سے درحقیقت ذکر کے اندر حقیقی معنویت پیدا ہوتی ہے۔ یہ نہ ہو تو ذکر محض ورزشِ زبان بن کے رہ جاتا ہے۔ زندگی پر اس کا کوئی مفید اثر مترتب نہیں ہوتا۔ اس مسئلہ پر اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِہِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ج سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران - ۳: ۱۹۱) کے تحت بحث گزر چکی ہے۔

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا (۸)

رب کے دامنِ رحمت میں پناہ گیر ہونے کا طریقہ

'تَبَتُّلْ' اور 'تَبْتِیْلْ' دونوں کے معنی انقطاع الی اللہ کے ہیں یعنی خلق سے کٹ کر رب کے دامنِ رحمت میں پناہ گیر ہو جانا۔ یہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو طریقہ بتایا اس بات کا کہ جب جب لوگوں کی حق بیزاری اور دل آزاری سے دل آزردہ ہو تو تم ان ناقدروں سے کٹ کر اپنے رب کے دامنِ رحمت میں پناہ گیر ہو جایا کرو اور اس کے لیے تمھیں اس کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے کہ تم اس کے نام کو یاد کرو۔ جب تم اس کے نام کے ساتھ اس کو یاد کرو گے تو وہ خود تمھیں اپنی پناہ میں لے لے گا۔

صفاتِ الٰہی کا استحضار

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام نام اس کی صفات کی تعبیر ہیں اور ان صفات ہی پر تمام دین و شریعت اور سارے ایمان و عقیدہ کی بنیاد ہے۔ ان صفات کا صحیح علم مستحضر رہے تو آدمی کی پشت پر ایک ایسا لشکرِ گراں اس کے محافظ کی حیثیت سے موجود رہتا ہے کہ شیطان کی ساری فوجیں اس کی نگاہوں میں پرِکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتیں۔ وہ اپنے آپ کو پہاڑوں سے بھی زیادہ مستحکم محسوس کرتا ہے۔ اور اگر خدا کی صفات کی صحیح یادداشت اس کے اندر باقی نہ رہے یا کمزور ہو جائے تو پھر اس کا عقیدہ بے بنیاد یا کمزور ہو جاتا ہے جس کے سبب سے اس کو منافقین کی طرح ہر بجلی اپنے ہی خرمن

پر گرتی نظر آتی ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا (۹)

یعنی اللہ کی پناہ کسی کمزور کی پناہ نہیں ہے بلکہ تمام مشرق و مغرب کے خداوند کی پناہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو اس کا شریک و سہیم ہو یا اس کے ارادوں میں مزاحم ہو سکے۔ اس کو وکیل بناؤ گے تو وہ تمھارے لیے کافی ہے۔ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (النسآء - ۴ : ۸۱)

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا (۱۰)

مخالفین کی باتوں پر صبر اور اس صبر کا طریقہ

اپنے جھٹلانے والوں کی بے ہودہ گوئیوں پر صبر کرو اور اپنے موقف پر ڈٹے رہو۔ نہ ان کی باتوں کا غم کرو اور نہ زیادہ ان کے درپے ہو بلکہ ان کو خوبصورتی کے ساتھ چھوڑو۔ وہ اپنی اس روش کا خمیازہ خود بھگتیں گے۔

چھوڑنا دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک چھوڑنا تو وہ ہے جو فضیحتا اور لعن طعن کے بعد، عناد و انتقام کے جذبہ کے ساتھ ہو۔ اس طرح کا چھوڑنا عام دنیا داروں کا شیوہ ہے۔ اخیار و صالحین یہ طریقہ نہیں اختیار کرتے۔ وہ خلق کی اصلاح کی کوشش اپنی کسی ذاتی منفعت کے لیے نہیں بلکہ لوگوں کی ہدایت اور اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔ لوگ ان کی ناقدری اور دل آزاری کرتے ہیں تو انھیں غصہ یا نفرت کے بجائے ان کے حال پر افسوس اور ان کی محرومی و بدانجامی پر صدمہ ہوتا ہے۔ اس صورت میں وہ ان کے رویہ سے مجبور ہو کر ان کو چھوڑتے تو ہیں لیکن یہ چھوڑنا اسی طرح کا ہوتا ہے جس طرح ایک شریف باپ اپنے نالائق بیٹے کے رویہ پر خاموشی اور علیحدگی اختیار کر لیتا ہے۔ اس طرح کے چھوڑنے کو یہاں 'هجر جميل' سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس طرح کی علیحدگی بعض اوقات مفید نتائج پیدا کرتی ہے جن کے اندر خیر کی کوئی رمق ہوتی ہے وہ اس شریفانہ طرزِ عمل سے متاثر اور اپنے رویہ کا جائزہ لینے کی طرف مائل ہوتے ہیں ورنہ کم سے کم انھیں یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ شخص ان کے باطل پر راضی ہونے والا نہیں ہے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ جب تک پیغمبر اپنی قوم کے اندر رہتا ہے قوم کی زیادتیوں کا مقابلہ وہ اسی 'هجر جميل' سے کرتا ہے۔ البتہ جب قوم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو وہ اس کو اعلانِ برأت کے ساتھ چھوڑتا ہے اور اس کا یہ چھوڑنا قوم کی موت کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا (۱۱)

تکذیب کرنے والوں کو سخت دھمکی

یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے جھٹلانے والوں کو اللہ تعالیٰ نے نہایت سخت دھمکی دی ہے کہ تم ان کا معاملہ مجھ پر چھوڑو اور تھوڑی سی مہلت ان کو اور دو۔ مطلب یہ ہے کہ پھر دیکھو کہ ان کا حشر کیا ہوتا ہے!

'ذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ' کے اسلوب سے یہ بات نکلتی ہے کہ تم الگ ہو کر بیٹھو اور مجھے تنہا ان سرکشوں

سے نمٹ لینے دو، تمھارے ہاتھ لگانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ ان جھٹلانے والوں کی تباہی میں کچھ دیر ہو رہی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی ان کے اندر تم موجود ہو۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ جب تک پیغمبر قوم کے اندر موجود رہتا ہے اس وقت تک قوم پر عذاب نہیں آتا۔ تم چھوڑ دو تو چشم زدن میں ان سرکشوں کا تیا پانچا ہوا جاتا ہے یہ ان ظالموں کی بدبختی ہے کہ وہ تمھارے درپئے آزار ہیں۔ ان کے لیے عذاب کے مقابل میں امان کی دیوار تمھی ہو۔ اگر اس امان سے انھوں نے اپنے کو محروم کر لیا تو عذاب سے ان کو کون بچائے گا۔

'اُولِی النَّعْمَۃِ' کے معنی ارباب تنعم و رفاہیت کے ہیں۔ لفظ 'نَعْمَۃٌ' رفاہیت و تنعم کے معنی میں آتا ہے۔ 'مُکَذِّبِیْنَ' کی اس صفت کے حوالہ سے مقصود ان کے سبب تکذیب کا سراغ دینا اور ان کی ناشکری پر ان کو ملامت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تنعم و رفاہیت سے بہرہ مند فرمایا تھا تو اس کا حق یہ تھا کہ اپنے رب کے شکرگزار رہتے لیکن اللہ کی بخشی ہوئی خوشحالی ان کے لیے استکبار کا سبب ہوئی اور وہ اپنے رب کے حریف بن کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

اِنَّ لَدَیْنَآ اَنْکَالًا وَّجَحِیْمًا ۝ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ وَّعَذَابًا اَلِیْمًا (۱۲-۱۳)

یعنی جب ہماری بخشی ہوئی رفاہیت اس دنیا میں ان کے لیے استکبار اور رسول کی تکذیب کا سبب ہوئی تو یاد رکھیں کہ ان کے لیے ہمارے پاس آخرت میں بیڑیاں اور جہنم ہے۔ یعنی بیڑیوں اور زنجیروں کے اندر جکڑ کر جہنم کے اندر جھونک دیے جائیں گے۔

'اَنْکَالٌ' جمع ہے 'نِکْلٌ' کی۔ اس کے معنی بیڑی کے بھی ہیں اور آہنی لگام کے بھی۔ دوسرے مقام میں 'سَلٰسِلُ' اور 'اَغْلٰلٌ' کے الفاظ بھی آئے ہیں۔

'وَطَعَامًا ذَا غُصَّۃٍ وَّعَذَابًا اَلِیْمًا' یعنی ہم نے ان کو جو تر نوالے بخشے انھوں نے ان کا حق نہیں پہچانا تو یاد رکھیں کہ آخرت میں ان کو وہ کھانا ملے گا جو ان کے حلق میں پھنس کر رہ جائے گا اور اس عیش کی جگہ ان کو ایک دردناک عذاب سے سابقہ پیش آئے گا۔

یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَکَانَتِ الْجِبَالُ کَثِیْبًا مَّھِیْلًا (۱۴)

یہ اس دن کی یاددہانی ہے جس دن ان مغروروں کو مذکورہ حالات سے سابقہ پیش آئے گا۔

فرمایا کہ اس دن یہ زمین اور پہاڑ سب لرز اٹھیں گے اور امراء کے ایوان و محل تو درکنار پہاڑوں کا بھی یہ حال ہوگا کہ وہ بھربھرے ریت کے تودوں کے مانند ہو جائیں گے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَیْکُمْ رَسُوْلًا ۵ شَاھِدًا عَلَیْکُمْ کَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۝ فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰہُ اَخْذًا وَّبِیْلًا (۱۵-۱۶)

قریش کو تنبیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ضروری ہدایات دینے کے بعد اب یہ قریش کو تنبیہ فرمائی جا رہی ہے کہ

جس طرح ہم نے فرعون کی طرف اپنا ایک رسول بھیجا تھا اسی طرح تمھاری طرف بھی ایک رسول بھیج دیا ہے تاکہ وہ ہمارے خاص شاہد کی حیثیت سے تمھیں بتادے کہ ہماری پسند اور ہمارے احکام کیا ہیں اور تم نے ان کو قبول کیا تو دنیا اور آخرت میں اس کا کیا صلہ ملے گا اور اگر اس کی نافرمانی کی تو اس کا انجام کیا ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ تم جس شخص کی تکذیب و توہین کر رہے ہو اس کے مرتبہ اور اس کی حیثیت کو اچھی طرح جان اور سمجھ لو کہ اس کی تکذیب کے کیا نتائج نکل سکتے ہیں۔ وہ کوئی سائل یا محض واعظ نہیں ہے جس کے رد و قبول کی کوئی خاص اہمیت نہ ہو بلکہ اللہ نے اس کو تمھارے اوپر حق کی گواہی دینے کے لیے بھیجا ہے اس وجہ سے اس کے ذریعہ سے لازماً حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہونے والا ہے اور یہ فیصلہ اسی طرح ہوگا جس طرح موسیٰ اور فرعون کے درمیان ہوا۔ جس طرح فرعون نے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ نے اس کو پکڑا اور اس طرح پکڑا کہ اس کو کوئی پناہ نہ مل سکی اسی طرح تمھیں بھی وہ اس طرح پکڑے گا کہ کوئی اس کے پنجہ سے تمھیں چھڑا نہ سکے گا۔

· شَاهِدًا عَلَيْكُمْ کے مفہوم کی پوری وضاحت ہم لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (البقرۃ - ۲: ۱۴۳) کے تحت کر چکے ہیں۔

فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا (۱۷)

یعنی ابھی پکڑ نہیں ہو رہی ہے تو یہ نہ سمجھو کہ کبھی نہیں ہوگی۔ اس دنیا میں نہ بھی ہوئی تو آخرت تو بہرحال شُدنی ہے تو سوچ لو کہ اگر تم نے رسول کا انکار کیا تو اس دن کے ہول سے کس طرح بچو گے جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا! بچوں کو بوڑھا بنا دے گا، کسی ہول کی شدت اور بے پناہی کی تعبیر ہے۔ ہماری زبان میں بھی بولتے ہیں کہ فلاں صدمہ نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ روایات میں بھی آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَأَخَوَاتُهَا مجھے سورۂ ہود اور اس کی ہم جنس سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔ عرب شعراء نے بھی مختلف اسلوبوں سے یہ محاورہ استعمال کیا ہے۔ یہ معروف ہے اس وجہ سے شواہد نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صاحبِ کشاف نے بعض شواہد کا حوالہ دیا ہے جو قابلِ اعتماد ہیں۔

السَّمَاءُ مُنْفَطِرٌ بِهِ ۚ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا (۱۸)

یعنی روزِ قیامت کو کوئی اَن ہونی بات نہ خیال کرو۔ آسمان اس کے بوجھ سے پھٹا پڑ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ پھٹ پڑے اور قیامت اس کے اندر سے نمودار ہو جائے اور تم اسی طرح اس سے غفلت ہی میں رہو۔ یہی مضمون سورۂ اعراف میں اس طرح بیان ہوا ہے:

ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا تَأْتِيكُمْ — آسمان و زمین دونوں اس کے حمل سے بوجھل ہیں،

إِلَّا بَغْتَةً ۚ (الاعراف - ۷: ۱۸۷) — وہ تمھارے اوپر اچانک ہی آ دھمکے گی۔

یعنی آخرت کوئی محتاجِ ثبوت چیز نہیں ہے، اس کے ظہور کا وقت اگرچہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے

علم میں نہیں ہے لیکن اس کے شواہد آسمان و زمین میں اس طرح نمایاں ہیں جس طرح آخری دنوں میں حاملہ کا حمل ہوتا ہے۔ اس کے جننے کا صحیح وقت کوئی نہیں بتا سکتا لیکن ہر آنکھ رکھنے والا جانتا ہے کہ وہ جنے گی۔ اسی طرح قیامت کے آثار نمایاں ہیں اور آسمان اس کے بوجھ سے اس طرح پھٹا پڑ رہا ہے کہ ہر لحظہ اس کا ظہور متوقع ہے۔ بدقسمت ہیں وہ لوگ جو صرف اس بنا پر اس سے نچنت ہیں کہ ان کو اس کا صحیح وقت نہیں بتایا گیا۔

اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْکِرَۃٌ ج فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیْلًا (۱۹)

'ھٰذِہٖ' سے اشارہ قرآن کی ان آیات کی طرف ہے جو قریش کو آخرت کی تذکیر کے لیے سنائی گئیں۔ مطلب یہ ہے کہ عذاب سے پہلے تذکیر و تنبیہ ضروری تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بھیج کر حجت تمام کر دی۔ اب ذمہ داری لوگوں کی اپنی ہے جس کا جی چاہے اپنے رب کی راہ اختیار کر کے اس کی رحمت و رضوان کا مستحق بن جائے اور جس کا جی چاہے وہ اپنی گمراہی پر اڑا رہے اور اس کا انجام دیکھے۔ اللہ کو اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔

اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَہٗ وَثُلُثَہٗ وَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ ط وَاللّٰہُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ ط عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْہُ فَتَابَ عَلَیْکُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ط عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَّرْضٰی لا وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ لا وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ز فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْہُ لا وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا ط وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ ھُوَ خَیْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ط وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۲۰)

ابتدائے سورہ کے بعض احکام سے متعلق وضاحت

یہ اس سورہ کی آخری آیت ہے۔ اس کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدینہ میں نازل ہوئی لیکن اس کا تعلق اسی حکم سے ہے جو ابتدائے سورہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام لیل سے متعلق، دیا گیا ہے اس وجہ سے جگہ اس کو اسی سورہ کے اخیر میں ملی تاکہ اس باب کے سابق اور لاحق دونوں حکموں کی نوعیت اور ان کا باہمی تعلق سمجھنے میں مدد ملے۔ اس کی متعدد مثالیں پچھلی سورتوں میں گزر چکی ہیں اور یہ اس بات کی نہایت واضح دلیل ہے کہ سورتوں میں آیات کی ترتیب ان کی معنوی مناسبت سے ہے اور یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے تحت ہوا ہے۔

'اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَہٗ وَثُلُثَہٗ'۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحسین فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے کہ تمھیں شب میں قیام کا جو حکم دیا گیا تم پورے اہتمام کے ساتھ اس کی پابندی کر رہے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ تمھاری یہ سرگرمیاں

اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں اور جب اس کے علم میں ہیں تو یہ رائگاں جانے والی نہیں ہیں بلکہ ان کا بھرپور صلہ پاؤ گے۔

'وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحسین کے بعد یہ ان مسلمانوں کی تحسین ہے جنھوں نے آپ کے اتّباع کے شوق میں از خود اس حکم کی پابندی اپنے اوپر لازم کر لی۔ یہ حکم تھا تو، جیسا کہ الفاظ سے واضح ہے، خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم ہر اس کام کے لیے سبقت کرتے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کاربند دیکھتے۔ اگرچہ ایمان بالرّسول کا حقیقی تقاضا یہی ہے کہ رسول کے ہر نقشِ قدم کی پیروی کی جائے لیکن رسول کی قوتِ برداشت اور دوسروں کی قوتِ برداشت میں بڑا فرق ہے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے عام مسلمانوں کے لیے اس حکم کی نوعیت میں تبدیلی کر دی، جس کی وضاحت آگے کے ٹکڑے میں آ رہی ہے، تاکہ ان کے لیے یہ بوجھ ان کی قوتِ برداشت سے زیادہ نہ ہو جائے۔

عام مسلمانوں کے لیے تخفیف

'وَاللّٰهُ یُقَدِّرُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَیْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ' فرمایا کہ رات اور دن کو مقدّر کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ وہی اچھی طرح جانتا ہے کہ ان کے تقاضے اور مطالبے کیا ہیں، زندگی پر کن کن پہلوؤں سے یہ اثر انداز ہوتے ہیں، انسان ان میں سے کس کا کس حد تک محتاج ہے اور اس کو کن حالات و مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے۔ اپنے اسی علم کی روشنی میں اس کا فیصلہ یہ ہے کہ تم نصف شب یا ثلث یا دو ثلث شب کے قیام کی پابندی کا اہتمام نہ کر سکو گے تو جتنا بھی ممکن ہو سکے اتنا قرآن پڑھ لیا کرو۔

'فَتَابَ عَلَیْكُمْ' کی تحقیق اس کے محل میں گزر چکی ہے۔ 'تَابَ' کا صلہ جب 'عَلٰی' کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی عنایت کی نظر کرنے کے ہو جاتے ہیں۔

'فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ' کے الفاظ اگرچہ عام ہیں لیکن یہ بات قیامِ لیل کے سلسلہ میں فرمائی گئی ہے اس وجہ سے مدعا تہجد ہی میں قرآن پڑھنا ہے۔ اگرچہ تلاوتِ قرآن بجائے خود بھی عبادت ہے لیکن تہجد میں ترتیل کے ساتھ، اس کی تلاوت ہی سے وہ برکتیں ظہور میں آتی ہیں جن کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس اہتمام کے ساتھ اس سورہ میں اس کا حکم دیا گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ تخفیف درحقیقت عام مسلمانوں کے لیے اس بنا پر ہوئی کہ وہ اس بھاری بوجھ کو نہیں اٹھا سکتے تھے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدستور اسی اصل حکم پر آخری لمحاتِ حیات تک قائم رہے جو آپ کو دیا گیا۔ عام اہلِ ایمان کے لیے ایک فضیلت کے درجے میں یہ باقی ہے اور یہ بات ہر ایک کے شوق اور حوصلہ پر چھوڑ دی گئی ہے کہ وہ اس میں کتنا حصہ لیتا ہے۔

'عَلِمَ اَنْ سَیَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰی ۙ وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ'

تخفیف کے وجوہ

یہاں امکانات کی طرف اشارہ ہے جو پیش آسکتے ہیں اور جو اس تخفیف کے متقاضی ہوئے۔ فرمایا کہ تم میں مریض بھی ہوں گے، مختلف دینی و دنیاوی ضروریات کے لیے سفر کرنے والے بھی ہوں گے، اللہ کی راہ میں تمھیں جنگ کے لیے بھی اٹھنا ہوگا اس وجہ سے اس سعادت میں حصہ لینے کے لیے یہ کافی ہے کہ تم جتنا وقت بھی پا جاؤ اور جتنا قرآن بھی پڑھ سکو پڑھ لیا کرو۔

'یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ' سے مراد ہر وہ سفر ہے جو کسی نیک اور اعلیٰ مقصد سے ہو، عام اس سے کہ وہ طلب علم کے لیے ہو یا حج کے لیے یا تجارت کے لیے۔ تجارتی سفر کے لیے یہ الفاظ قرآن میں جگہ جگہ آئے ہیں۔

'وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا'۔ یہ اس کسر کے جبر کی تدبیر بتائی ہے کہ اگر قیام شب کی برکتوں میں تم پورا پورا حصہ نہیں لے سکتے تو اپنے امکان کے حد تک پنج وقتہ نمازوں کا اہتمام رکھو، زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ کے کلمہ کو بلند اور دین و ملّت کی ہنگامی ضروریات میں فراخ دلی سے خرچ کرتے رہو۔ اس طرح تم اپنے رب کا قرب اور اس کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہو۔

'وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا' سے یوں تو ہر وہ انفاق مراد ہو سکتا ہے جو اللہ کی راہ میں فراخ دلی سے کیا جائے لیکن جب اس کا ذکر ایتائے زکوٰۃ کے ساتھ ہو تو اس سے خاص طور پر وہ انفاق مراد ہوتا ہے جو جنگ و جہاد یا کسی اہم ہنگامی ضرورت کے لیے کیا جائے۔

'وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا'۔ یہ انفاق کے لیے ترغیب و تشویق ہے کہ اللہ کی راہ میں جو خرچ کرو گے وہ کسی دوسرے کے لیے نہیں بلکہ اپنے ہی لیے کرو گے۔ وہ خدا کے ہاں تمھارے ہی کھاتے میں جمع ہوگا اور اس کو نہایت بہتر اور نافع تر شکل میں اپنے رب کے ہاں پاؤ گے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کوئی خسارے کا سودا نہیں بلکہ سب سے زیادہ نفع بخش تجارت ہے۔

'وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ'۔ یعنی اس اہتمام کے علاوہ جو مذکور ہوا، برابر اپنے رب سے اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کی معافی بھی مانگتے رہو اور یہ امید رکھو کہ وہ معاف فرمائے گا۔ وہ بڑا ہی غفور رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ وہ غلطیوں سے درگزر فرمائے اور اس کی صحیح باتوں کے لیے دلوں میں جگہ پیدا کرے۔ واللہ ھو الموفق للصواب۔

رحمان آباد

۷۔ نومبر ۱۹۷۸ء

۵۔ ذوالحجہ ۱۳۹۸ھ